قائد اعظم کو خراج تحسین ، پاکستانی راہنماؤں کو مشورہ اور جماعت کو ابتلاء میں صبر کی تلقین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ / جنوری ۱۹۸۹ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

پاکستان سے کچھ عرصے سے پھر جماعت کے متعلق کچھ پریشان کن خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے معاندین نے اپنی ذلت آمیز شکست اور ناکامی کے بعد اپنی خجالت مٹانے کے لئے اور کچھ اس طرح جیسے کسی جانور کو زخمی کر دیا جائے تو وہ نئے کس بل کے ساتھ دوبارہ حملہ کرنا چاہتا ہے زیادہ تلخی کے ساتھ ،شدت کے ساتھ حملہ کرنا چاہتا ہے کچھ اسی انداز سے انہوں نے جماعت کے متعلق اپنی معاندانہ کوششوں کو پہلے سے بہت تیز کر دیا ہے۔جگہ جگہ سے مختلف بڑھتے ہوئے مظالم کی خبریں بھی مل رہی ہیں اور بدقسمتی سے سیاسی حالات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ بعض علاقوں میں ہمارے سیاستدان بھی اس صورتحال سے استفادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کچھ ویسا ہی ان کا خیال معلوم ہوتا ہے جیسے کسی زمانے میں (ممتاز) دولتانہ کا خیال تھا اور بدقسمتی سے ہماری سیاست میں ماضی سے سبق لینا نہیں آتا اور ایسے تاریخی واقعات جو بارہا دوہرائے جاچکے ہوں وہ بھی ہمارے سیاستدان کو دکھائی نہیں دیتے۔مستقبل کی نظر بھی کوتاہ ہے اور ماضی کی نظر بھی کوتاہ ہے۔ صرف قریب کے وقتی مفاد کو دیکھنے کی عادت ہے اور اسی حد تک جا کر نظر ٹھہر جاتی ہے۔اس لئے کچھ ایسی پیچیدگیاں ہیں ابھی حالات میں کہ ہمیں دعاؤں سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔تیسری دنیا کی

سیاست میں بالعموم صرف پاکستان ہی کی بات نہیں بلکہ تمام دنیا میں وہ ممالک جو ابھی ترقی پذیر ہیں ان کی سیاست میں یہ ایک مشترک رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ سیاست خود غرض ہے اور بسا اوقات اصولوں کے سودے بھی کر لیتی ہے۔ جہاں تک دیانت اور اخلاق کے اعلیٰ تقاضوں کا تعلق ہے سیاست دنیا میں کہیں بھی ہو وہ ان سے بے بہرہ ہوتی ہے۔ خواہ وہ مغرب کی سیاست ہو، خواہ مشرق کی، خواہ شمال کی، خواہ جنوب کی آپ کو کہیں بھی سیاست میں اعلیٰ اخلاقی اقدار دکھائی نہیں دیں گی۔ اس لئے جو چیز جہاں مل نہیں سکتی وہاں اس سے توقع نہیں رکھنی چاہئے لیکن ایک فرق بہر حال ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ مغربی ترقی یافتہ ممالک میں کسی دباؤ کے تابع بھی اصولوں کے سودے نہیں کئے جاتے اور بارہا آپ کو ایسے سیاسی رہنما دکھائی دیں گے جو پورے طاقت کے عروج میں ہوتے ہوئے بھی حکومت سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں مگر کسی قیمت پر بھی اصولوں کے سودوں پر تیار نہیں ہوتے۔ یہ نظارے آپ کو مشرق میں دکھائی نہیں دیں گے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ سوائے ایک تاریخی موقع کے جبکہ سیاست کے میدان میں ایک ایسا روشنی کا سورج اُبھرا تھا جو سیاستدان نہیں تھا لیکن ایک بااصول اور سچا قوم کا ہمدرد انسان تھا یعنی قائداعظم۔

قائداعظم کو بعض لوگ یعنی خصوصاً مغربی ناقدین جب اپنی سیاست کی عینکوں سے دیکھتے ہیں تو ان میں انہیں نہرو کے مقابل پر ان کو بہت سی خامیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سی جگہ پر وہ سمجھتے ہیں کہ ایک اچھا سیاستدان ہوتا تو لچک دکھاتا، نرمی اختیار کرتا، کچھ رستہ بدل کر چلتا لیکن یہ کیسا سیاستدان ہے جس کی اتنی عزت کی جاتی ہے اور اس کے باوجود جہاں کہیں بھی سیاست کی آزمائش ہوئی وہاں اس نے اپنے اصولوں کے مقابل پر وقتی مفاد کو ٹھکرا دیا اور کسی قسم کی نرمی نہیں دکھائی جبکہ ہر موقع شناس ایسے مواقع پر نرمی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس لئے قائداعظم کو ایک سخت اکھڑ انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کو حالات نے بنا دیا حالانکہ یہ تجزیہ بالکل غلط ہے اور غیر درست ہے۔

قائداعظم اتنے بااصول انسان تھے کہ ایک موقع ایسا بھی ان کی زندگی میں آیا جب وہ کانگریس سے مایوس ہوئے اور مسلمانوں کے حالات پر نظر ڈال کر انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ سچائی کی خاطر تلخی کی راہوں پر قدم نہیں مار سکیں گے اور ہر طرح میرا ساتھ نہیں دے سکیں گے تو انہوں نے سیاست سے کلیۃً کنارہ کشی اختیار کر لی اور جیسے بعض دفعہ بچے روٹھ جاتے ہیں اس طرح یہ بالغ نظر انسان روٹھ کر انگلستان میں آ کر بیٹھ گیا اور تمام دوستوں اور مداحوں کو یہ واضح اطلاع دے دی کہ آج کے بعد میں ہندوستان کی

سیاست میں کوئی دخل نہیں دوں گا۔ اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ کی نظر نے دیکھا کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے کوئی نجات کی راہ سیاست کے لحاظ سے ہے تو وہ قائداعظم کے پیچھے چل کر ہی مل سکتی ہے یعنی محمد علی جناح اور محمد علی جناح ہی سے آج ہندوستان کے مسلمانوں کا تمام مفاد وابستہ ہے۔ اُس زمانے میں مولانا عبدالرحیم صاحب درد یہاں انگلستان میں امام ہوا کرتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان سے فوری رابطہ پیدا کیا اور کہا کہ جس طرح میں آپ کو سمجھاتا ہوں اس طریق پر قائداعظم سے جا کے، قائداعظم تو اس وقت غالباً نہیں کہلاتے تھے، محمد علی جناح سے جا کے ملیں اور ان کو بتائیں کہ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ آپ کی کامیابی یا ناکامی اس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ایک ناکام راہنما کے طور پر مرجائیں لیکن ایک عظیم قوم کی زندگی کی خاطر ایسی قربانیاں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ چنانچہ آپ واپس آئیں اور دوبارہ مسلمانوں کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں سنبھالیں۔ اس وقت قائداعظم کا ردِعمل شروع میں تو بہت سخت تھا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ با اصول انسان تھے لیکن با اصول انسان جب بات کو سمجھ جاتا ہے تو پھر نرمی بھی اختیار کرتا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو مغربی آنکھ نے دیکھا نہیں اور قائداعظم کو ایک ایسے Rigid انسان کے طور پر، ایسے سخت انسان کے طور پر پیش کیا ہے جو گویا بات سمجھنے کے بعد بھی راہ بدلنے پر آمادہ نہیں ہوا کرتا تھا لیکن اور باتوں کو چھوڑ دیں تو یہ ایک واقعہ ہمیشہ کے لئے اس الزام کو قائداعظم سے دھونے کے لئے کافی ہے۔ اس زمانے میں مسجد لندن کی حیثیت آج کے مقابل پر کچھ بھی نہیں تھی۔ چند گنتی کے احمدی تھے اور درد صاحب مرحوم کو قائداعظم جانتے بھی نہیں تھے۔ اچانک ایک امام مسجد کا جو خود ایک غیر معروف انسان ہو ان کے پاس پہنچنا اور یہ درخواست کرنا کہ آپ اپنا فیصلہ بدل دیں اور دوبارہ واپس جائیں ہندوستان کی سیاست میں حصہ لیں اور قوم کی پوری طرح بھرپور نمائندگی کریں۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہمارے عبدالرحیم صاحب درد مرحوم کو قائداعظم کے ساتھ بحث تمحیص میں گزرا، ان کو سمجھانے کی کوشش کی بالآخر جب قائداعظم نے سمجھ لیا کہ ہاں واقعةً ان کا مؤقف درست ہے اور میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ جو کچھ بھی ہو مجھے بہر حال ہندوستان واپس پہنچ کر مسلمانوں کی خدمت کرنی چاہئے تو انہوں نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا اور آپ کے تاریخ دان اس بات کو مستند کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ قائداعظم نے خود اس بات کا اقرار کیا کہ ایسے زندگی کے اہم موڑ پر مجھے سیدھی راہ دکھانے والا لنڈن مسجد کا امام تھا جہاں اس وقت میں آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔

اس کے بعد پھر وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔

وہ ایک ایسا بے خوف با اصول اور بامراد راہنما تھا کامیابی جس کے قدم چومتی تھی باوجود اس کے کہ کامیابی کے حصول کے لئے وہ اصول چھوڑ کر جھکنا نہیں جانتا تھا۔ کسی ایک موقع پر زندگی میں آپ نے اصول کا سودا نہیں کیا۔ چنانچہ اس زمانے میں جبکہ پاکستان کا قیام اتنی اہمیت رکھتا تھا اور خود قائداعظم نے آخر پر جو برصغیر کے سیاسی حل کا رستہ تجویز کیا تھا اس کی کامیابی اور ناکامی کا سوال تھا۔ بظاہر ایک شخص کی کامیابی اور ناکامی کا بھی نہیں بلکہ ساری قوم کی کامیابی اور ناکامی کا سوال تھا۔ ایسے موقع پر ایک سیاستدان جتنے بھی اپنے موافق اور مؤیدا کٹھے کرسکتا ہے وہ سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ کسی کو کچھ لالچ دیتا ہے، کسی کو کچھ لالچ دیتا ہے۔ کسی سے کسی بات کے سودے ہوتے ہیں، کسی سے کسی اور بات کے سودے ہوتے ہیں اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ اس موقع پر اتنے بڑے اصول داؤ پر لگے ہوئے ہیں کہ چند چھوٹے چھوٹے اصولوں کی قربانی دے دینا اس کے مقابل پر کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ ایسے موقع پر قائداعظم کی ایک بہت بڑی آزمائش خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور دراصل اس آزمائش پر ان کا پورا اُترنا ہی ان کی زندگی کو بامراد کرنے کا فیصلہ کر گیا۔

تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے اندر تمام مذہبی جماعتیں سوائے جماعت احمدیہ کے قائداعظم اور پاکستان کی مخالف تھیں۔ مسلمان حق میں تھے لیکن سب مسلمان حق میں نہیں تھے جہاں تک مذہبی جماعتوں کا تعلق ہے بحیثیت تنظیم اگر تمام نہیں ہوسکتا ہے میری یادداشت نے کوئی غلطی کی ہو لیکن بھاری اکثریت وہ تو عام معروف مذہبی جماعتیں جو آج پاکستان پر قابض ہیں وہ ساری کی ساری قائداعظم کی مخالف تھیں اور پاکستان کے تصور کے مخالف تھیں لیکن ایک بات پر وہ اپنا مؤقف بدلنے پر آمادہ تھیں اور وہ چھوٹی سی بات یہ تھی کہ قائداعظم سے انہوں نے درخواست کی کہ اگر آپ مسلمانوں میں سے احمدیوں کو نکال دیں اور ان کی غیر مسلم حیثیت تسلیم کرتے ہوئے ان کو مسلم لیگ سے خارج کر دیں تو ہم اپنا تمام عمر کا سیاسی مؤقف تبدیل کر کے آپ کے پیچھے لگنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ شرط مان لیں تو باقی ساری باتیں بلاشرط ہم آپ کی تسلیم کرلیں گے۔ کتنا عظیم الشان دباؤ تھا۔ ساری زندگی کی جنگ کا نتیجہ اس بات پر منحصر تھا اور ایک سیاستدان، ایک دانشور جو ملکی حالات سے باخبر ہو جو فرقوں کے باہمی تناسب کے اعداد و شمار سے واقف ہو اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ ایک

سیاستدان کے طور پر یہ فیصلہ کرے کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی نمائندہ مذہبی جماعتوں کونظر انداز کرتے ہوئے، ردّ کرتے ہوئے، مخالف بناتے ہوئے ایک چھوٹی سی مذہبی جماعت کو قبول کر لے۔ محض اس لئے کہ اس کے نزدیک اصول کا تقاضا یہ تھا کہ اکثریت کی رائے کو ردّ کر دیا جائے اور ایک چھوٹی اقلیت جماعت کی رائے کو قبول کر لیا جائے۔ چنانچہ قائد اعظم نے انتہائی دباؤ کے باوجود ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا میرے نزدیک مسلمان سیاست میں بنیادی طور پر یہی اصل ہمیشہ قائم رہے گا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کا حق ہے کہ بحیثیت مسلمان مسلمانوں کی سیاست میں حصہ لے۔ جو شخص اپنے منہ سے اپنے اسلام کا انکار کرتا ہے اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہو یہ اتنی سی بات تھی۔

چنانچہ انہوں نے احمدیوں کی ممبرشپ روکنے کی بجائے با قاعدہ ایک تاریخی فیصلے کے ذریعے یہ اعلان کیا کہ ہر احمدی مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں دوسری تمام مذہبی جماعتیں اگر ناراض ہو کر مسلم لیگ کی ممبرشپ سے الگ ہوتی ہیں تو ہونے دو۔ یہ وہ اصولی فیصلہ تھا جس کے نتیجہ میں دراصل قائد اعظم کامیاب ہوئے یہ وہ اصولی فیصلہ تھا جو خدا کو پسند آیا جو انصاف اور تقویٰ کی بات تھی جس نے درحقیقت ایک ہاری ہوئی بازی کو جتا دیا۔ میں سمجھتا ہوں یہ اسی فیصلے کی برکت تھی کہ ایک عظیم انقلاب رونما ہونا شروع ہوا۔ اس فیصلے سے پہلے خود پنجاب میں بھی قائد اعظم کے ہم خیالوں کو کوئی طاقت حاصل نہیں تھی۔ ایک یونینسٹ (Unionist) حکومت تھی خضر حیات کی جو مسلم لیگ کے مخالف اور کانگریس کے اصولوں سے متفق تھی اور جس پنجاب جو آج پاکستان کی جان ہے اس پنجاب میں بھی اگر مسلم لیگ کی کوئی حیثیت نہیں تھی تو اندازہ کریں کہ اس وقت یہ فیصلہ کرنا کہ تمام بڑی مذہبی جماعتیں جس سے ناراض ہو جائیں اور ایک چھوٹی سی اقلیت کو خوش کرنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے اصول پر قائم رہنے کی خاطر اُس چھوٹی سی اقلیت کو ترجیح دے دینا۔ یہ وہ فیصلہ تھا جس نے حالات کی کایا پلٹ دی۔ دیکھتے دیکھتے وہ بڑے بڑے علماء جو قائد اعظم کو ردّ کر چکے تھے ان کے پلیٹ فارم ان کے قدموں تلے سے کھسکنے شروع ہوئے اور قائد اعظم کے قدموں کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ قدم جو ان پلیٹ فارموں کی طرف لالچ کی وجہ سے نہیں بڑھے تھے خدا نے ان کے ان پلیٹ فارموں کو ان کے مالکوں کے قدموں کے نیچے سے نکال دیا اور وہ پلیٹ فارم قائد اعظم کی

طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا ریلا آیا کہ جس میں یہ علماء ہواؤں میں لٹکے ہوئے رہ گئے اوران کے نیچے کی تمام زمین نکل گئی تھی۔ یہ ہے وہ اصول کی بات جو بدقسمتی سے آج تک ہمارے سیاستدان نے نہیں سیکھی اس وقت جو پاکستان میں صورتحال ہے اُس میں بھی اسی قسم کی بعض باتیں ہیں جن کے فیصلے ہونے والے ہیں۔

علماء کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے یعنی احمدیوں کے مخالف علماء کا کہ وہ خوف دلا کر اور دھمکیاں دے کر سیاستدان کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور شروع میں اُن کو صرف اتنی بات دکھاتے ہیں کہ ہمارا مطالبہ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک چھوٹی سی جماعت کو مردود قرار دے دو اور اُس کے خلاف ہر قسم کی زیادتیوں کو برداشت کر جاؤ۔ جہاں تک اکثریت کا تعلق ہے وہ تمہارے ساتھ رہے گی تم ہماری زبان کے چرکوں سے بھی بچے رہو گے اور ساری قوم میں تمہاری مقبولیت ہوگی کہ ایک ایسی جماعت کو تم نے ردّ کیا ہے جس جماعت کو قوم بحیثیت مجموعی ردّ کر چکی ہے اور یہ اکثریت کا فیصلہ ہے۔ یہ بات بیچ میں سے چھپا جاتے ہیں کہ دنیا کی کسی اکثریت کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ انصاف پر تبر رکھ سکے اور انصاف کے تقاضوں پر جمہوریت کی راجدہانی نہ کبھی پہلے ہوئی تھی نہ آئندہ کبھی ہوسکتی ہے۔ جمہوریت کا مقصد انصاف کا قیام ہے اس لئے جمہوریت کی طاقت کو استعمال کر کے انصاف کی قربانی نہیں دی جاسکتی اور اصولوں کی قربانی نہیں دی جاسکتی جن کے بغیر جمہوریت چل نہیں سکتی۔ تو اس حصے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اور اُسے چھپاتے ہوئے باقی بات کو بڑی عمدگی اور بڑے منطقی انداز میں سیاستدانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر سارے ملک میں شور مچاتے ہیں اور ایک مہم چلا دیتے ہیں اخباروں میں دھمکانے کی ، مرعوب کرنے کی۔ وہ کہتے ہیں دیکھو جی یہی بات ہے خبردار جو اس جماعت کی کسی نے تائید کی۔ اگر تم نے تائید کی تو ہم شور مچائیں گے اور عوام کو بتائیں گے اور ان کو کہیں گے گلیوں میں نکلو یہ لوگ فلاں نواز ہیں اور فلاں کی تائید میں اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے طاقت میں آئے تھے، اُن کے ساتھ ان کی ساز باز ہے اور یہ اور وہ۔ غرضیکہ عجیب و غریب ایسی کہانیاں ہیں جنہیں وہ دھمکانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک موجودہ حکومت کی سیاسی پارٹی کا تعلق ہے میں جانتا ہوں کہ اُن میں سے بھاری اکثریت ایسی ہے جو بدنیت نہیں ہے۔ اُن کے اصول بھی آزاد تھے۔ اُنہوں نے عوام سے یہ وعدہ کیا

تھا کہ ہم سیکولرازم کے نام پر آ رہے ہیں اور اُن کے منشور میں یہ بات داخل تھی ۔عوام نے سب کچھ دیکھ کر سوچ سمجھ کر ان کے حق میں، اُن کی تائید میں فیصلہ کیا لیکن جب سیاسی دباؤ بڑھنے شروع ہوں تو اُس وقت سیاستدان کی اندرونی Integrity اُس کے اصولوں پر قائم رہنے کی طاقت کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ کیا اس امتحان پر یہ سارے پورے اُتر سکیں گے یا نہیں یہ ہے فیصلہ جو آج ہونے والا ہے۔ جہاں تک میں پاکستان کے حالات کو جانتا ہوں میرے نزدیک وہ سیاستدان جو نیک نیت ہیں اُن میں بھی مضبوط قویٰ کے مالک بہت کم لوگ ہیں۔ایسے کردار کے مالک جو پوری عظمت کے ساتھ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کو چیلنج کر سکتے ہوں اور اصولوں کے سودوں پر تیار نہ ہوں ایسے بہت کم ہیں۔ بھاری اکثریت اُن شرفاء کی ہے جن کی زبان ہوا کی تائید میں تو چلا کرتی ہے ہوا کے مخالف نہیں چلا کرتی۔ جن کے ہونٹوں سے جو آواز بلند ہوتی ہے وہ نقار خانے کے شور کے مطابق ہوا کرتی ہے۔اُس طُوطی کی آواز نہیں جو نقار خانے کے مقابل پر باوجود کمزور اور نحیف ہونے کے پھر بھی آواز بلند کرنے کی جرأت کرتا ہے۔اس لحاظ سے ہمارے ملک میں سیاسی لحاظ سے ہمیشہ عدم استحکام رہا اور قائداعظم کے بعد بدنصیبی سے قوم نے پھر کبھی با اصول سیاست کا منہ نہیں دیکھا۔ یہ وہ حالات ہیں جن کی وجہ سے کچھ خطرات دکھائی دیتے ہیں۔

بہر حال جہاں تک جماعت کا تعلق ہے ایک اَور پہلو بھی ہماری کمزوری کا یہ ہے کہ اصول کی خاطر ہم نے خود سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ وہ ووٹ جس کی قیمت سیاستدان کی نظر میں ہوا کرتی ہے وہ تو ہمارے پاس نہیں ہے۔اُن سکّوں سے جیب خالی ہے جو سیاستدان کی ہمدردی خرید لیا کرتے ہیں۔ نہ وہ ظاہری سکّے ہیں نہ وہ سیاسی سکے ہیں ہمارے پاس اس لئے جماعت بالکل تہی دامن ہے اس پہلو سے۔اس لئے سوائے اس کے کہ کوئی سیاستدان عظیم کردار کا مالک ہو، بے انتہا با اصول ہو اور قوم کی آخری فلاح کی منزل کی طرف اُس کی نظر ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوف کھا کر اپنے اصول کی راہ بدلنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہو اس کے سوا وہاں حالات کے سدھرنے یا سدھرے رہنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

اس وقت پاکستان کے حالات میں جہاں تک میں مطالعہ کر رہا ہوں مجھے دو قسم کے سیاستدان حکومت کی پارٹی کے اندر دکھائی دے رہے ہیں بلکہ تین قسم کے کہنا چاہئے۔ ایک وہ ہیں

جن کو جماعت سے ہمدردی ہے جو با اصول تو ہیں لیکن اپنے اصولوں کی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے۔ جو شریف تو ہیں لیکن اُن کی شرافت کی زبان میں جرأت کا فقدان ہے۔ وہ بے چین ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے لیکن اُن کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ ایک طبقہ سیاستدانوں کا وہ ہے جو ذاتی طور پر شریف النفس ہے لیکن جماعت سے ویسے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا اور اصولوں پر قائم رہنے کا بھی کوئی خاص تجربہ یا سلیقہ اُن کو نہیں ہے۔ ساری عمر ایسی سیاست کی پیروی کی ہے جو رستوں کے مطابق رُخ بدلا کرتی ہے اپنی مرضی کے مطابق رستے نہیں بنایا کرتی اور یہی بڑا فرق ہے ہمارے ملک کی سیاست اور مغربی سیاست میں۔ یہاں پہلے منازل معین کی جاتی ہیں اور اطراف کی تعیین کی جاتی ہے پھر راہ تجویز کی جاتی ہے جو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ آرام کے ساتھ قوم کو منزل تک پہنچا دے۔ ہمارے ملک میں گھسے پٹے رستوں کی پیروی کی جاتی ہے خواہ وہ منزل سے بھی ہٹا دیں۔ اس لئے یہ بڑا فرق ہے اِن کو عادت ہے قوم کے خیالات کو جانچ کر خواہ وہ صحیح ہوں خواہ وہ غلط ہوں اُن کے پیچھے چلنے کی تا کہ قوم کو یہ احساس نہ ہو کہ ہم اُن کے راہنما ہیں جو اُن کے خیالات کو بدلنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بظاہر یہ لوگ راہنما ہوتے ہیں لیکن عملاً عوام الناس ان کے راہنما ہوتے ہیں۔ اب یہ جو چیز ہے اس میں ایک فرق دکھانا ضروری ہے۔ دنیا میں ہر جگہ عوام کے خیالات اور خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے اور کوئی بھی دنیا کی سیاست نہیں ہے جو عوام کی نبضوں پر اُنگلیاں رکھے بغیر اپنے فیصلے کرے لیکن جو بات میں کہہ رہا ہوں اُس میں ایک فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ دنیا کے باشعور اور بالغ نظر سیاستدان عوام کے خیالات اور جذبات پر نظر تو رکھتے ہیں لیکن جب یہ سمجھتے ہوں کہ یہ جذبات اور خیالات خود قوم کے لئے مہلک ہیں اور خود سیاست کے لئے مہلک ہیں تو پھر اُن خیالات اور جذبات کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر وہ تبدیل نہ ہو سکیں تو خود الگ ہو جاتے ہیں اور اُن خیالات کی پیروی نہیں کرتے۔ اس کو حقیقت میں راہنما کہا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان ٹوٹنے والا تھا اور بنگلہ دیش بننے والا تھا تو اُس سے پہلے شیخ مجیب الرحمٰن صاحب سے ایک دفعہ مجھے تفصیلی گفتگو کا موقع ملا۔ اُن کو میں نے ہر پہلو سے سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ اپنے رستے کو تبدیل کریں اور جس راہ پہ آپ چل پڑے ہیں یہ قوم کے لئے شدید نقصان دہ ہوگا۔ چنانچہ ایک موقع پر میں نے اُن سے کہا اور مجھے افسوس ہے کہ مجھے اُن سے یہ کہنا پڑا جس کا مجھے خیال تھا کہ اُن کو بہت

تکلیف پہنچے گی کہ میں نے بہت سے دنیا کے سیاستدانوں سے ملاقاتیں کی ہیں، بہت سے لیڈروں سے میں واقف ہوں لیکن آج تک میں نے کبھی دنیا میں اتنا کمزور سیاستدان نہیں دیکھا جتنے آپ ہیں۔ اُن کا تو یوں لگتا تھا جیسے اشتعال سے اپنے آپ پر قابو نہیں رہے گا۔ ایک دم اس قسم کی گہری چوٹ کسی نازک جگہ پر لگائی جائے اس طرح اُن کا ردّعمل ہوا لیکن اُن میں بہر حال بہت سی خوبیاں تھیں یونہی تو کوئی قوم کا راہنما نہیں بن جایا کرتا۔ اُنہوں نے حوصلے سے اپنے جذبات کو برداشت کیا، اُن پہ قابو پایا اور مجھے کہا کہ یہ عجیب بات آپ کر رہے ہیں۔ ساری قوم میرے پیچھے ہے، سارا مشرقی پاکستان میری آواز پر لبیک کہہ رہا ہے اور آپ کہتے ہیں میں نے اپنی ساری زندگی میں اتنا کمزور سیاسی راہنما کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا اسی لئے میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو قوم نے آگے لگایا ہوا ہے آپ نے قوم کو پیچھے نہیں لگایا ہوا اور آپ ایک انچ بھی رستہ بدلنا چاہیں تو قوم آپ کو دھتکار کر ایک طرف پھینک دے گی اور آپ میں طاقت نہیں ہے رستہ بدلنے کی اس لئے میں جو آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں بالکل وقت ضائع کر رہا ہوں۔ آج آپ اگر ادنیٰ سی آواز بھی بلند کریں کہ جس طرف میں آپ کو پہلے لے کر جا رہا تھا وہ راہ غلط ہے اور ہمیں اس راہ کو تبدیل کرنا چاہئے تو آپ کو قوم ہلاک کر دے گی۔ اس لئے آپ طاقتور راہنما کیسے ہوگئے؟ پس یہ فرق ہوا کرتا ہے سیاستدان آگے ہی ہوا کرتا ہے لیکن دیکھنا یہ پڑتا ہے کہ قوم نے اُس کو آگے لگا رکھا ہے یا وہ قوم کو پیچھے پیچھے لے کر چل رہا ہے۔ تو قوم کے آگے لگنے والے سیاستدان تو بکثرت ہمیں نظر آرہے ہیں لیکن قوم کو پیچھے لگانے والے سیاستدان وہ جو اصولوں کے پابند سیاستدان ہوا کرتے ہیں، عظیم حوصلوں اور عظمتوں کے مالک ہوتے ہیں اُن کا فقدان ہے اور یہی بحران ہے سیاست کا جس نے پاکستان کی سیاست کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

تو ایسے طبقہ سے یہ توقع رکھنا جن کی تربیت یہ نہ ہو، جو نبضوں پر ہاتھ رکھتے ہوں کہ اگر ڈوب رہی ہیں تو ہم ساتھ ڈوب جائیں گے اس پر آمادہ ہوں۔ نبضوں کو بدلنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اُن میں یہ استطاعت نہ ہو کہ ڈوبتی نبضوں کا ساتھ نہیں دینا اور اُبھرتی نبضوں کا ساتھ دینا ہے اور ڈوبتی ہوؤں کو اُبھارنا ہے وہ سیاستدان راہنما بننے کے کیسے اہل ہو سکتے ہیں لیکن ایسے بھی ہیں اور ایک معمولی سا طبقہ ایسا بھی ہے جو احراری مزاج ہے اور پیپلز پارٹی میں داخل ہے۔ وہ ایسے موقع پر باہر کی آواز کو اندر پہنچاتا ہے اور بڑھا چڑھا کر پہنچاتا ہے اور اُن خطرات کو جو محض گیدڑ بھبکیوں کی حیثیت

رکھتے ہیں اُن کو حقیقت بنا کر دکھاتا ہے اور وہ لوگ جو بااصول سیاستدان ہیں لیکن کمزور اُن کے دلوں پر بار بار حملے کرتا ہے اُن کو ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے، اُن کے حوصلے پست کرتا ہے کہ خبردار اب اگر تم نے کسی اصول کی خاطر اس جماعت کا ساتھ دیا تو تم دیکھنا کہ تم صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے، صفحۂ سیاست سے مٹا دیئے جاؤ گے۔ حالانکہ وہ بھول جاتا ہے کہ ہمیشہ جب بھی واقعہ ہوا ہے ہمارے سیاسی اُفق پر اس سے برعکس واقعہ ہوا ہے۔ صفحہ سیاست سے وہ مٹائے گئے ہیں اور بار بار مٹائے گئے ہیں جنہوں نے اصولوں کو مٹنے دیا ہے، جنہوں نے اصولوں کی خاطر اپنے وجود کو مٹانے کا فیصلہ کیا ہے وہ کبھی نہیں مٹائے گئے اور ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی پہ اُن کے نام ثبت ہو چکے ہیں ایک ملک میں کبھی یہ واقعہ نہیں ہوا، دو ملکوں میں نہیں ہوا ہمیشہ ساری دنیا میں ہمیشہ ہمیش سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔

اس لئے پاکستان میں جو موجودہ حالات ہمیں دکھائی دے رہے ہیں اُن میں بدنصیبی، حوصلہ رکھنے والے باشعور بالغ نظر سیاستدانوں کے فقدان کی بدنصیبی ہے لیکن جہاں تک انسانی کوشش کا تعلق ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان لوگوں کو تنبیہ کرتے چلے جائیں، ہم ان کو خبردار کریں اور ان کو ہوشیار کریں، ان کو سمجھائیں اور ان کو دکھائیں کہ جن راہوں کی تم پیروی کرتے ہوئے دکھائی دینے لگے ہو وہ ہلاکت کی راہیں ہیں۔ اُس کے بعد ہم پر پھر وہی حکم اطلاق پاتا ہے جو ہمارے آقا پر اطلاق پایا تھا اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢٢﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٣﴾ (الغاشیہ: ۲۲-۲۳) اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تیری حیثیت صرف نصیحت کرنے والے کی ہے تو اُن پر داروغہ نہیں تو ہم حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاک پا کے خاک پا ہم بھلا کہاں یہ حیثیت رکھتے ہیں کہ اپنے آپ کو داروغے بنا بیٹھیں اور مذکر کی حیثیت سے باہر چھلانگ لگائیں۔ لیکن مذکر کی حیثیت بھی بڑی مشکل حیثیت ہے۔ داروغے سے زیادہ مشکل حیثیت ہے، بڑے صبر کے تقاضے ہیں اس حیثیت میں، بڑے مراحل ہیں، جن پر ثبات قدم اختیار کرنا بڑا مشکل کام ہوا کرتا ہے لیکن بہر حال ہمارے مقدر میں یہی ایک رستہ لکھا ہوا ہے اسی رستے پر ہم نے چلنا ہے اور ضرور چلنا ہے۔ ہر مشکل، ہر مصیبت کو برداشت کر کے اس پر چلنا ہے اس لئے جماعت کا فرض ہے کہ قوم کو متنبہ کرے اور سمجھائے اور آج کے سیاستدان کو خواہ وہ حکومت کی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو یا حکومت سے باہر کی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو خوب اچھی طرح کھول کر دکھائے کہ پاکستان کی

سیاست کو تباہ کرنے میں سب سے بڑا بلکہ شاید ایک ہی ہاتھ ہے اور وہ مولوی کا ہاتھ ہے۔

جن ملکوں میں ملّا ئیت کا عذاب نازل نہیں ہوا وہاں سیاستیں آزاد ہیں اور ملا ئیت سے مراد میری صرف مسلمانوں میں جو خاص قسم کے علماء ہیں وہ نہیں ہیں بلکہ ملا ئیت سے مراد مذہبی جنون کا غلبہ ہے جس حیثیت سے میں ملّا ئیت کی بات کر رہا ہوں۔ یہ ملا ئیت خواہ ہندوازم میں نظر آئے، خواہ بُدھ ازم میں نظر آئے، خواہ عیسائیت میں نظر آئے، خواہ یہودیت میں نظر آئے جہاں بھی جب بھی ملا ئیت سیاست میں داخل ہوئی ہے اور سیاسی مزاج پر اُس نے قبضہ کیا ہے وہاں ہمیشہ سیاست کو اس نے ہلاک کر کے رکھ دیا ہے اور پھر سیاست اس زہر کے بعد زندہ نہیں بچ سکی۔ پاکستان میں بارہا یہ تجربہ ہو چکا ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ چھوٹی سی بات ہے تم مان جاؤ لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ اگر ایک ملک کے کسی چھوٹے سے طبقہ پر قانون کے طور پر کوئی سیاسی جماعت ظلم کرنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ رستہ کھل جاتا ہے جو پھر کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ جس اصول کے ذریعے جس اصول کی قربانی کے ذریعے ملا ئیت کو سیاست پر کسی ایک جگہ غلبہ ہوتا ہے وہ پھر وہاں نہیں ٹھہرا کرتا وہ آگے اپنی جگہ بڑھانا شروع کرتا ہے اور چونکہ ایک دفعہ رستہ کھل جاتا ہے پھر اُس رستے کو بند کرنا سیاستدانوں کے لئے آسان نہیں ہوا کرتا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے لیکن جماعت احمدیہ پاکستان کی تاریخ سے واقف ہے، ہندوستان کی تاریخ سے بھی واقف ہے یعنی جماعت کے جتنے بھی دانشور ہیں، تعلیم یافتہ طبقہ ہے اُن کے لئے مشکل نہیں کہ وہ اس کی مثالیں تلاش کریں اور اپنے روزمرہ کی گفتگو میں جن سے بھی گفتگو ہو اُن کو سمجھاتے وقت وہ مثالیں اُن کے سامنے پیش کریں۔ اُن کو بتائیں کہ کس طرح غلطی کی جاتی ہے۔ ایک دفعہ جب ملا ئیت کو سیاست میں دخل دینے کی اجازت دے دی جائے تو پھر وہ وہاں نہیں رکا کرتی، آگے بڑھتی ہے اور یہی وہ سلسلہ تھا جو ایک چھوٹے سے نقطے سے آغاز ہوا اور پھر آخر شرعی عدالتوں، شرعی کورٹس اور پھر شریعت کے تابع تمام سیاست کا قلع قمع کرنے پر منتج ہوا۔

آٹھویں ترمیم جس کو آپ کہتے ہیں اُس میں جماعت احمدیہ کے اُوپر مظالم کی بھی ایک شق ہے لیکن دراصل یہ وہ شق ہے جس سے ساری سیاست کی بربادی کا آغاز ہوا تھا۔ ۱۹۷۴ء کی ترمیم کی بات نہیں میں کر رہا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ شق رکھ دی گئی تھی کہ کوئی احمدی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس نہیں بن سکتا اور پاکستان کا صدر نہیں بن سکتا۔ الفاظ یہ تھے یا کچھ مختلف تھے لیکن مفہوم اُس کا یہی تھا۔ چنانچہ

میں نے اُس زمانے میں پیپلز پارٹی کے سیاستدانوں میں سے بعض سے بات کی اُن کو میں نے کہا کہ قانون میں یہ شق کیوں رکھی ہے تو اُنہوں نے کہا آپ نے کوئی ملک کا صدر بننا ہے یا آپ کی نیت کوئی چیف جسٹس بننے کی ہے، آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے کہا مجھے تو نہیں پڑتا کیونکہ کسی احمدی نے کبھی پاکستان کے صدر بننے کا یا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بننے کا خواب نہیں دیکھا لیکن آپ کو فرق پڑتا ہے اور قوم کو فرق پڑتا ہے اور پڑے گا۔ یہ وہ آپ نے سوراخ رکھ لیا ہے جس سوراخ سے مُلاں داخل ہوگا اور دن بدن آپ کے لئے ایک مصیبت کا موجب بنتا چلا جائے گا، ہمیشہ کے لئے ایک سردردی ہے جو آگے بڑھتی چلی جائے گی۔ آپ کے لئے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ جب ایک دفعہ آپ نے اصول کا سودا کر لیا تو پھر آگے جا کر اَور اصول قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نے اُن کو سمجھایا کہ جماعت احمدیہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو یہ خواہش رکھتا ہو لیکن آپ یہ بتائیں کہ اس کے باوجود اگر ساری قوم یہ فیصلہ کرے کہ کوئی احمدی صدر ہونا چاہئے تو آپ کا یہ قانون کیوں روکے گا اُس کو پھر۔ سیدھی اصولی بات یہ ہے کہ جمہوریت میں اکثریت کا فیصلہ جاری ہونا چاہئے۔ اگر وہ اُن دائروں میں ہے جن دائروں سے جمہوریت کا تعلق ہے، یہ بنیادی شرط ہے۔ تو اگر پاکستان کے جمہور چاہتے ہوں کہ کوئی احمدی مسلمان ملک کا صدر بن جائے تو کیوں اُس کو روکا جائے گا۔ آپ کو کیا حق ہے کہ جو اُس وقت اقلیت ہو چکے ہوں گے اور اگر اکثریت یہ نہیں چاہتی تو خطرہ کیا ہے؟ اس قانون کے ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ اس لئے ایک ایسے فرضی خطرے کے خیال سے آپ نے اس شق کو رکھ لیا ہے بلکہ میں نے کہا کہ فرضی خطرہ بھی نہیں، مولوی کو خوش کرنے کی خاطر یہ جانتے ہوئے کہ کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے آپ نے ایک شق اس قانون میں رکھ لی ہے جو شق یہاں نہیں ٹھہرے گی اور لازماً بات آگے بڑھے گی۔ چنانچہ وہ سلسلہ تھا جو پھر اس کے بعد جاری ہوا اور وہ بات آگے بڑھ کر پھر جماعت احمدیہ کے متعلق آگے نہیں بڑھی بلکہ ساری قوم کے لئے آگے بڑھی اور یہ جو شریعت بل اور شرعی عدالتیں اور یہ تفریق در تفریق کے سلسلے، یہ مہاجر پاکستانی اور یہ غیر مہاجر پاکستانی، یہ پنجابی پاکستانی، یہ سندھی پاکستانی، یہ افغان پاکستانی جو مہاجر بن کر آیا ہے یہ پٹھان پاکستانی جو پہلے سے یہاں بستا ہے۔ جتنے تفریق در تفریق کے سلسلے تھے یہ دراصل اُسی وقت بنیادی طور پر قائم ہو چکے تھے یعنی بیج کے طور پر بوئے جا چکے تھے۔ اس سارے تجربے سے گزر کے گیارہ سال کے دکھ اُٹھا کر کئی قسم کے خطرناک اور صبر آزما مراحل سے نکل کر یہ لوگ جو آج حکومت پر قابض ہوئے ہیں ان کی استطاعت دیکھیں کہ ان سب باتوں کو بھولنے

کی استطاعت رکھتے ہیں، ان سب باتوں کو فراموش کرنے کی طاقت رکھتے ہیں لیکن یہ طاقت نہیں رکھتے کہ اپنی ناک کے آگے دیکھ سکیں۔ نہ ماضی میں دیکھ سکتے ہیں نہ مستقبل میں دیکھ سکتے ہیں۔ اُن باتوں میں نہیں دیکھ سکتے جن باتوں میں ان کا ذاتی مفاد نہ ہو اور اگر ذاتی مفاد ناک کی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا تو پھر آگے نہیں دیکھیں گے۔ اس لئے ضروری نہیں ہوا کرتا کہ ہر نظر کی بیماری بعینہ انسان کی اقتصادی اور سیاسی بیماریوں سے سو فیصدی مشابہ ہو، بعینہ مشابہ یہ نہیں ہوا کرتا۔ مثالیں دی جاتی ہیں بعض تھوڑی صادق آتی ہیں، بعض زیادہ صادق آتی ہیں۔ تو یہ جو نظر کی کمزوری ہے اس کا خود غرضی سے تعلق ہے دراصل اور جہاں سیاست خود غرض ہو جائے وہاں اگر یہ بیماری بڑھ جائے تو اُس کے نتیجہ میں کوتاہ نظری پیدا ہوتی ہے جو ایک مخصوص قسم کی کوتاہ نظری ہے۔ بعض پہلوؤں سے سیاستدان سینکڑوں سال کے بعد دیکھ سکتے ہیں، ہزاروں سال کی تاریخ سے سبق لے سکتے ہیں اس لئے بیوقوف نہیں ہیں، بیمار ہیں بیچارے۔ ایک بنیادی طور پر اخلاقی کمزوری کو برداشت کر لیا گیا ہے اور خود غرضی کے غلام بننے کے نتیجے میں جو اُس کے طبعی عوارض ہیں وہ اُن کو لاحق ہو رہے ہیں۔ اس لئے ان کو تجزیہ کر کے دکھانا چاہئے، سمجھانا چاہئے کہ یہ رستہ درست نہیں ہے غلط ہے۔ تم جن رستوں سے گزر کے آئے ہو وہاں یہ موڑ پہلے بھی آئے تھے، پہلے بھی تو تم نے غلط قدم اُٹھائے تھے، پہلے بھی تم غلط نتیجے دیکھ چکے ہو۔ اگر تمہاری یادداشت چھوٹی ہے، اگر تمہاری نظر کوتاہ ہے تو ہم تمہیں بتا رہے ہیں، ہم تمہیں دکھا رہے ہیں کہ ایسے واقعات پہلے گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی اگر تم وہ غلطیاں کرو گے جو پہلے کر چکے ہو تو ویسے ہی نتیجے دیکھو گے جو پہلے دیکھ چکے ہو اور اس قانون قدرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

یہ بات ہے جو سمجھانے والی ہے اور اس کے لئے جماعت کو محنت کرنی چاہئے اور اُن کو یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہر ایک کی کمزوریوں سے باخبر ہیں۔ ہم جانتے ہیں تم میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی نیتیں ٹھیک ہیں اس لئے تم اگر ہمیں آج قربان کر سکتے ہو اپنی مفاد کی خاطر تو مجبور ہو کے کر رہے ہو ہمیں یہی احساس ہے لیکن اس کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ اس قربانی کے بعد تمہاری قربانی کا وقت بھی آنے والا ہے۔ اس لئے ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں **جس چھری کو تم آج ہماری گردن پر چلنے کی اجازت دو گے خدا کی قسم وہ چھری ضرور تمہاری گردن پہ چلائی جائے گی۔ یہ وہ تقدیر ہے جسے تم تبدیل نہیں کر سکتے اور کبھی کسی نے تبدیل نہیں کیا لیکن ہماری گردن کی حفاظت کی خدا نے ضمانت**

دی ہے۔ چھری چل تو سکتی ہے مگر اس گردن کو تن سے جدا نہیں کر سکتی۔ چلے گی ہزاروں مرتبہ یہ چھریاں چلائی گئی ہیں اور آزمائش پہ آزمائش ہم پر گزر چکی ہے مگر تیز سے تیز چھری نے بھی جماعت کے سر کو جماعت کے تن سے جدا نہیں کیا۔ نہ پہلے کر سکے تھے نہ آج کر سکتے ہو نہ کل کر سکو گے۔ مگر جن چھریوں کو تم نے اجازت دی اور اگر تم نے اجازت دی تو وہ جب تمہارے اُوپر چلائی جائیں گی تو گہرے وار کریں گی اور گہرے زخم چھوڑیں گی اور ہوسکتا ہے تمہارے وجود کی بقا کو ہی خطرے میں ڈال دے۔

ہم یہ نہیں چاہتے ، ہم جانتے ہیں تم میں بہت اچھے لوگ ہیں، نیک لوگ ہیں ایسے لوگ ہیں اگر وہ بااصول رہیں تو سیاست ہی میں نہیں انسانی شرافت کی تاریخ میں بھی ہمیشہ کی زندگی پا جائیں گے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ تم وہ نہیں ہو جو بار بار موقع دیئے جاتے ہو اور ایسے زیادہ آدمی ہمارے پاس نہیں ہیں اس لئے اس تاریخی موقع کو ضائع نہ کرو اور اپنے اور قوم کے فائدے کی بجائے اپنی قوم کے نقصان میں تبدیل نہ کرو۔ جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم یقین اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا جس نے پہلے ہمیں کبھی نہیں چھوڑا، آج بھی ہمیں نہیں چھوڑے گا۔ ہمارا توکل تم پر نہیں ہے، ہمارا توکل کائنات کے مالک اور خالق خدا پر ہے اور وہی جس نے ہمیشہ ہمارے توکل کی عزت اور بھرم رکھا ہے اور کبھی بھی ہماری توقعات کو ٹھوکر نہیں لگائی۔

اس لئے میں پاکستان کے اُن احمدیوں کو بھی مخاطب اور متنبہ کرتا ہوں جو چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کے نتیجوں میں لمبی چھلانگیں لگانے لگتے ہیں۔ پہلے بھی میں نے آپ کو متنبہ کیا تھا اُس وقت یہ حالات ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ اب میں آپ کو دوبارہ متنبہ کرتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنی توقعات کو اور اپنی امیدوں کو دنیاوی تبدیلیوں سے وابستہ کر لیا تو پھر آپ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اگر اندھیروں میں بھی آپ نے خدا کے نور سے دیکھنے کی عادت ڈالی، اگر ہر قسم کے خطرات میں بھی آپ نے اپنے یقین کو آنچ نہ آنے دی کہ وہ خدا جو کل ہمارے ساتھ تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا اور کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑے گا تو پھر دنیا کی کوئی مصیبت آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی۔ حالات ضرور تبدیل ہوں گے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے یہ حالات تبدیل کئے جائیں گے لیکن آپ کو تبدیل نہیں ہونا۔ اگر آپ تبدیل ہو گئے اور خدا کے تعلق کو توڑ دیا تو پھر حالات آپ کے لئے کبھی تبدیل نہیں کئے جائیں گے اس لئے موحد بنو اور خدا پر اپنا توکل رکھو۔ بااصول رہو اور قوم کو اصولوں پر قائم رہنے کی تلقین کرو۔ اُن کو سمجھاؤ، اُن کو اپنی عقلوں کا نور عطا کرو، اُن کو دکھاؤ کہ کونسی راہیں چلنے کی راہیں ہیں

اور کونسی راہیں چھوڑنے کی راہیں۔ پھر دیکھو کہ خدا کا فضل تم کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ آخر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ یہ وہ امام ہے جس سے آپ نے تعلق باندھا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کا مستحق بھی بنائے۔ آپ فرماتے ہیں:

''صادق تو ابتلاؤں کے وقت بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ آخر خدا ہمارا ہی حامی ہوگا اور یہ عاجز اگر چہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے کہ اگر چہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی میں آخر فتح یاب ہوں گا۔ **مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہوسکتا۔**...... مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور کیا خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اُس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگر چہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلا ہو، ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل

میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔

من نہ آنستم کہ بروز جنگ بینی پشت من
آن منم کاندر میان خاک وخون بینی سرے

میں ہرگز وہ نہیں ہوں کہ جنگ کے روز تم میری پیٹھ دیکھ سکو۔ ہاں میں وہ ضرور ہوں کہ جب طاقت سے معاملہ بڑھ جائے گا تو خاک وخون میں لتھڑا ہوا میرا سر تو دیکھو گے مگر بھاگتے ہوئے کی میری پیٹھ کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔

''پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُر خار بادیہ در پیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب وشتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور اُن کا پچھلا حال اُن کے پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اُس کے فضل اور رحمت سے پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں اُن کو وداع کا سلام۔ لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے۔''

(انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۲۳، ۲۴)

پس اللہ تعالیٰ ہمیں بدظنی اور غداری کے داغ سے ہمیشہ بچائے اور اس امام کے ساتھ پیوستہ رکھے۔ ہمارا ہر تعلق اس امام کے ساتھ قائم رکھے اور اس امام کے عزم اور حوصلے کے شایان شان بنائے۔ آمین۔